92

اعلیٰ اخلاق اپناؤ اور کامل اطاعت کرنا سیکھو

(فرمودہ ۳۰؍ جولائی ۱۹۲۰ء)

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"مذہب بیشک اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ مگر مذہب کا مفہوم جو عام لوگ سمجھتے ہیں۔ وہ اعلیٰ نہیں۔ وہ دین و دنیا میں نہ رُوحانی اور جسمانی عالم میں کچھ بھی مفید نہیں۔ وہ مفہوم کیا ہے۔ جو عام لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ چند رسوم کے ادا کرنے کو مذہب کہتے ہیں۔ ایسا مذہب نہ تو دنیا ہی کے لیے مفید ہوسکتا ہے۔ نہ خدا تعالیٰ تک پہنچا سکتا ہے اگر وہ رسوم نہ ہوں۔ تو کیا کمی آجاتے اور اگر ہوں تو کیا زیادتی ہو۔ اگر ان کو ادا کیا جاتے۔ تب بھی انسان خدا سے دُور ہی رہتے ہیں اور اگر نہ کی جائیں۔ تب بھی دُور۔ پس ایسے مذہب کے لیے جو دین و دُنیا میں کچھ بھی مفید نہیں۔ کوشش کرنا اپنی کوششوں اور سعیوں کو ضائع کرنا ہے، لیکن درحقیقت مذہب اس کا نام نہیں۔ بلکہ ان امور کا نام مذہب ہے۔ جن سے روحانی اور جسمانی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ روحانیت اور جسمانیت دونوں کو صفائی ملتی ہے۔ اور روحانی اور جسمانی امن ملتا ہے، لیکن اگر یہ دونوں طرح کا امن نہیں ملتا تو کچھ نہیں۔ اور جس مذہب میں یہ نہیں۔ وہ سچا مذہب نہیں۔ مگر دلائل کی رُو سے جو مذہب سچا ثابت ہوگیا ہے۔ اس سے یہ دونوں باتیں حاصل نہیں ہوتیں۔ تو اس کے معنے یہ ہونگے کہ اس پر اس کے حسب منشاء عمل نہیں کیا جاتا۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ مذہب ایسے قواعد و اُصول کا نام ہے۔ جن سے رُوح اور جسم کو امن ہو لیکن بہت ہیں۔ جو بعض رسوم کا نام مذہب رکھتے ہیں۔ بعض صرف ان رسوم کے ماننے والوں کا نام حاصل کرلینے کو مذہب قرار دیتے ہیں۔ یہ تینوں قسم کے لوگ مذہب سے دُور ہیں۔ یاد رکھو۔ نماز پڑھنے کا ہی نام مذہب نہیں۔ روزہ رکھنے کا ہی نام مذہب نہیں۔ حج کرنے کا ہی نام مذہب نہیں۔ بلکہ یہ مذہب کے جزو ہیں اور مذہب کا جو مدعا اور غرض ہے۔ اس کے حصول میں ممد ہیں۔ مذہب وہ ہے جو ان سب چیزوں پر حاوی ہے جو لوگ انہی باتوں پر کفایت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اپنی عمروں کو ضائع

کرتے ہیں۔

پس اس شخص کے لیے جو مومن بننا چاہتا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اس اصل غرض کو جو مذہب کی ہے سمجھے اور اس کو پورا کرے اعتقادات کو درست کرے اور اعمال کو بجالاتے اور اخلاقی تعلیم پر بھی کاربند ہو۔

اگر کوئی شخص دوسروں سے اچھے تعلقات نہیں رکھتا۔ ذاتی خیالات میں پاکیزگی حاصل نہیں کرتا۔ اپنے اخلاق کو درست نہیں رکھتا۔ تو اس کی نماز بے سُود ہے۔ اور جو شخص نماز اور دوسرے اعمال کو چھوڑ کر صرف "دل کی نماز" ہی پڑھتا ہے۔ وہ بھی بے دین ہے۔ نہ تو وہ شخص دیندار ہے جو رات دن نمازیں تو پڑھتا ہے، مگر اخلاق اور معاملات میں بہت گرا ہوا ہے اور نہ وہ شخص دیندار ہے جو اخلاق ہی کو دین سمجھتا ہے۔ اور نماز روزہ جو احکام شرعی ہیں۔ ان کو چھوڑتا ہے۔ دیندار وہی ہے جو اِدھر اللہ تعالیٰ کے حقوق بجالاتا ہے۔ اور اُدھر مخلوق کے حقوق کو پورا کرتا ہے۔

مگر بہت ہیں جو دین کو چند رسوم کا مجموعہ سمجھے ہوتے ہیں۔ اور افسوس ہے کہ بعض ہماری جماعت میں بھی ایسے لوگ ہیں۔ کئی ہیں جو نمازوں میں سُستی کرتے ہیں، لیکن نمازوں میں سستی کرنے والوں کی نسبت ایسے زیادہ ہیں۔ جو نمازوں میں تو باقاعدہ ہیں۔ مگر اخلاق میں بہت پیچھے ہیں۔ اور کمی کو دُور کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص سے زنا بھی سرزد ہو جائے مگر وہ کوشش کرتا ہو کہ اس گناہ سے بچے۔ اور اپنی غلطی کا احساس کرے۔ تو وہ ایماندار اور مومن ہے[1] تو جو شخص بدی کو بدی سمجھتا ہے۔ وہ باوجود اس کا ارتکاب کرنے کے اتنا گنہگار نہیں۔ اور ایمان سے اتنا دُور نہیں۔ جتنا وہ شخص جو گناہ کا احساس ہی نہ رکھتا ہو۔ اور اس سے بچنے کی کوشش بھی نہ کرتا ہو۔ اسی طرح اگر ایک شخص میں کوئی اخلاقی نقص ہے۔ مگر وہ اس کو نقص سمجھتا ہے۔ نماز۔ روزہ میں سست ہے مگر وہ اس کو غلطی مان کر شرمندہ ہوتا ہے۔ تو اس کی اصلاح ہوسکتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص مثلاً بدزبانی کا مرتکب ہوتا ہے، لیکن وہ اپنے اس فعل سے شرمندہ نہیں ہوتا۔ تو اس کا کوئی علاج نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جس مرض کا احساس ہو۔ اسی کا علاج ہوسکتا ہے۔ ایسا ہی مریض علاج کی طرف متوجہ ہوسکتا ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک مرض وہ ہوتا ہے جس کا احساس نہیں ہوتا۔ اور جو آہستہ آہستہ اپنے پاؤں جماتا ہے۔ مثلاً دق اور سل یہ دونوں مرض نہایت آہستگی سے آتے ہیں۔ انسان کو عام طور پتہ بھی نہیں

---

[1] مسند احمد بروایت مشکوٰۃ کتاب الاسماء باب فی رحمۃ اللہ و مغفرتہٗ

لگتا۔ اور وہ مسلول یا مدقوق ہوجاتا ہے۔ اور انہی امراض سے بہت زیادہ موتیں ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے جو مرض شدت سے حملہ کرتے ہیں۔ ان میں ایسی ہلاکت نہیں ہوتی۔ طاعون سے جو لوگ ڈرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں شدت سے حملہ کرتی ہے جس سے اکٹھے کئی لوگ مرتے ہیں لیکن مرض سل یا دق کا حملہ ایک جگہ پر نہیں۔ ایک وقت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تمام ملک پر پھیلتی! اور آہستہ آہستہ اپنا کام کرتی ہیں۔ اس لیے ان سے اس طرح لوگ خائف نہیں ہوتے جس طرح طاعون وغیرہ سے یک لخت آدمیوں کے مرنے سے۔ ورنہ امراض کے واقفوں نے تحقیق کی ہے کہ جسقدر اموات سل اور دق سے دنیا میں ہوتی ہیں۔ اور کسی مرض سے نہیں ہوتیں۔

اسی طرح اخلاق کی خرابی کا مرض بھی سل اور دق کا سا ہے۔ جو آہستہ آہستہ آتا ہے۔ میں نے اس کے متعلق بارہا توجہ دلائی ہے۔ مگر اس کی طرف تاحال کافی توجہ نہیں کی گئی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ مرض خفیہ طور پر آہستہ آہستہ آتا ہے۔ دق وغیرہ اس طرح ہوتی ہے کہ صبح و شام ذرا کسل ہونا شروع ہوا یا سر درد ہوگیا۔ اس کو معمولی بات سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کا پتہ اسی وقت لگتا ہے جس وقت جسم پر غلبہ پالیتی ہے۔ یہی حال اخلاقی خرابیوں کا ہوتا ہے۔ بچوں میں بداخلاقی اس وقت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے جس وقت کہ ماں باپ اس کے سامنے کوئی بداخلاقی کی بات کرتے ہیں۔ یا جب بچہ کوئی بداخلاقی کرتا ہے۔ تو وہ ہنس دیتے ہیں۔ اور جب بچوں میں جھوٹ وغیرہ کی عادتیں راسخ ہوجاتی ہیں۔ تو ان کو روکنا شروع کرتے ہیں۔

بڑا نقص جو ہمارے ایشیائیوں میں ہے۔ وہ ہمدردی کی کمی ہے۔ کسی کے دکھ کو دیکھتے ہیں! اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں کیا۔ اور یہ عام مرض ہے۔ بلکہ پنجابی میں تو ایک محاورہ بھی بنا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں کیا میرا "چاچا" لگتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ہمدردی کی حد چچا تک ہی ہے۔ اس کے آگے نہیں، لیکن یہ کوتاہی اتنی بڑی کوتاہی ہے کہ انسان کو انسانیت سے گرا دیتی ہے۔ انسانی دل دل نہیں کہلا سکتا۔ جب تک کہ اس میں بنی نوع کی ہمدردی نہ ہو۔ ہمدردی کے بغیر انسان انسان نہیں رہتا۔ بلکہ حیوان کے درجہ پر آجاتا ہے۔ اور حیوانوں میں سے بھی کتے کی مثال ان لوگوں کی ہوجاتی ہے۔ کیونکہ بعض لوگ تو وہ ہوتے ہیں جنکو مطلق ہمدردی نہیں ہوتی۔ ان کی مثال بیلوں وغیرہ حیوانوں کی ہوتی ہے ان میں بجائے ہمدردی کے یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی زخمی بیل پڑا ہو۔ تو دوسرا بیل بجاتے ہمدردی کے اس میں سینگ مار جائیگا۔ اسی طرح ایک بکری کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔ بندر کو بھی کوئی ہمدردی زخمی بندر سے نہیں ہوگی، لیکن کتے کو ہمدردی ہوتی ہے۔ مگر اپنے ہم جنس سے نہیں۔ بلکہ کتا اگر کسی

دوسرے کُتے کو زخمی دیکھے گا، تو اس پر جھپٹے گا۔ ہاں وہ اس انسان سے ہمدردی کریگا جس نے اسے رکھا ہوگا تو اسی طرح بعض آدمیوں میں ہمدردی ہوتی ہے۔ مگر اپنی قوم اور اپنی جماعت کے لوگوں سے نہیں۔ بلکہ غیروں سے۔ حالانکہ سب سے پہلے ہمدردی کے مستحق اپنی جنس اور اپنے لوگ ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو ایسے لوگوں سے کُتے بہتر ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے سے افضل کی ہمدردی کرتے ہیں۔ مگر یہ لوگ اپنوں کو مرتا چھوڑ کر غیروں کی ہمدردی کرینگے۔ اور اس کی غرض یہ ہوگی۔ تاکہ لوگ انہیں بڑا ہمدرد کہیں۔ مسلمان حاکم ہونگے محض وسیع القلب کہلانے کے لیے انصاف اور عدل کو بھی چھوڑ دینگے اور مسلمانوں کے خلاف فیصلہ دے دینگے۔ تاکہ لوگ کہیں یہ بڑے وسیع القلب اور غیر متعصب ہیں۔ ایسے لوگ کتے سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

یہ تو غیروں کا حال ہے لیکن ہم میں بھی ایسے ہیں بلکہ قادیان میں پائے جاتے ہیں۔ جن میں ہمدردی کی کمی ہے اور ان کو آپا دھاپی اور نفسا نفسی لگی رہتی ہے۔ اگر ان کی یہی کیفیت رہے گی تو قیامت کو شفاعت کرنے والے ان کے متعلق کہدینگے کہ ہمیں تمہاری شفاعت کی کیا پڑی ہے۔ ہاں جو یہاں نفسا نفسی میں مبتلا نہیں۔ دوسروں کی ہمدردی کرتے ہیں۔ ان کے لیے وہاں بھی شفاعت کرنے والے شفاعت کرینگے آتا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بعض لوگوں سے کہے گا کہ مَیں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ دیا مَیں ننگا تھا۔ تم نے مجھے کپڑا نہ دیا۔ مَیں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ اور مَیں بیمار تھا تم نے میری عیادت نہ کی۔ بندے کہیں گے کہ خداوند تو کب بھوکا تھا کہ ہم نے تجھکو کھانا نہ دیا۔ تو کب ننگا تھا کہ ہم نے لباس نہ دیا تو کب پیاسا تھا کہ ہم نے پانی نہ دیا۔ تو کب بیمار تھا کہ ہم نے تیری عیادت نہ کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا۔ فلاں ننگا تھا۔ فلاں پیاسا تھا اور فلاں بیمار تھا تم نے اس سے بے توجہی کی۔ تو گویا مجھ ہی سے کی۔[1]

پس جو لوگ دنیا میں نفسا نفسی میں ہی پڑے رہتے ہیں۔ قیامت کے روز ان سے بھی نفسی نفسی کا معاملہ ہوگا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ان کی تازہ مثال ہم میں موجود ہے۔ ایک شخص کی لڑکی فوت ہوگئی۔ وہ اکیلا اس کا جنازہ لیکر گیا۔ اور راستہ میں دو ایک آدمی اور مل گئے۔ یہ کیوں ہوا۔ اس لیے کہ مَیں بوجہ بیماری کے اس جنازے کے ساتھ نہ جا سکا۔ میرا قاعدہ ہے کہ سوائے بیماری کے میں حضرت صاحب کے پُرانے دوستوں کے جنازوں اور غریبوں کے جنازہ کے ساتھ ضروری سے ضروری کام چھوڑ کر بھی جاتا ہوں۔ اور ان کے جنازوں کے ساتھ جن کے متعلق میں جانتا ہوں کہ ان کے ساتھ جانے والا کوئی نہیں یا مسافروں کے جنازے

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب فضل عیادۃ المریض

ساتھ محلہ والوں کا فرض تھا کہ اس کے جنازہ کے ساتھ شامل ہوتے۔ کیونکہ اگر کوئی امیر بھی ہو۔ تو اس کا جنازہ خود بخود گاڑی میں نہ چلا جائیگا۔ یا فرشتے اُٹھا کر قبرستان میں نہ لیجائیں گے۔ بلکہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔ جو جنازہ اُٹھاتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی کسی کی میت کے اُٹھانے میں شامل نہیں ہوگا۔ تو اگر اس کے ہاں کوئی واقعہ ہو۔ تو پھر اس کا کیا حق ہے کہ دوسرے اس کے ہاں جائیں۔ اس صورت میں اس کو شکایت کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اس قسم کی کوتاہیاں چھوڑ دو اور خدا کے لیے اور اس کے قرب کے لیے اس کی مخلوق سے ہمدردی کرو۔ اخلاق سیکھو۔ نرم کلامی سیکھو تاکہ خدا کی رضا تم کو حاصل ہو۔

(حضور جب دوسرے خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ)

مَیں نے دوستوں اور طبیبوں کے مشورہ کے ماتحت کل ایک مہینہ کے لیے باہر پہاڑی مقام پر جانے کا ارادہ کیا ہے۔ مَیں اس امر کا بھی اعلان کر دیتا ہوں کہ میرے پیچھے انتظامی امور میں قادیان جماعت کے امیر مولوی شیر علی صاحب ہونگے اور میری جگہ نماز مولوی سید سرور شاہ صاحب پڑھایا کرینگے۔

میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان کی اطاعت کریں۔ اطاعت دنیاوی ترقی کے لیے بھی ضروری ہے اور دین کے لیے تو ہے ہی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ[1] کہ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی۔ اس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی۔ اس نے میری نافرمانی کی یہی حال حضور کے خلفاء اور ان کے مقرر کردہ اُمراء کا ہے۔ مَیں نے تجربہ کیا ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ خلفاء کی اطاعت کی تو کوشش کرتے ہیں۔ لیکن خلفاء کے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کا مادہ ان میں کم ہے۔ اور عام طور پر لوگ کہدیتے ہیں کہ ان کو کیا حق ہے کہ ہم سے اطاعت کرائیں یا ہم ان کی اطاعت کریں۔ لیکن اگر یہ کہنا درست ہے تو پھر خلفاء کا کیا حق ہے کہ ان کی اطاعت کی جاتے۔ مجھے اور مجھ سے پہلے مولوی صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح اوّل) کا کیا حق تھا کہ تم لوگوں نے ان کی اطاعت کی۔ یا میری کرتے ہو۔ یہ سب خدا کے حکم سے ہے۔ تلوار ہمارے پاس نہیں۔ روپیہ ہمارے پاس نہیں کہ ہم اطاعت کے لیے تمہیں دیتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ ہمارے قبضہ میں آ گئے ہو۔ پس تم جو اطاعت کرتے ہو۔ اپنے شوق سے اور خدا کی رضاء کے لیے کرتے ہو۔ پھر خلفاء کو چھوڑ کر انبیاء کے متعلق بھی یہی سوال ہوتا ہے کہ ان کو کیا حق ہے انبیاء کی اطاعت ہی خدا کے لیے ہوتی ہے نہ کسی حق کی بناء پر۔

---

[1] بخاری کتاب الجهاد والسیر باب یقاتل من وراء الامام ویتقی بہ

اطاعت سے جو گریز کیا جاتا ہے۔ بالعموم اس کا باعث تکبر ہوتا ہے۔ اور تکبر ہی وہ پہلی بدی ہے جو دنیا میں ہوئی۔ دُنیا میں پہلے ابا و استکبار ہی ہوا ہے۔ دین کو الگ کر کے اگر دنیاوی لحاظ سے ہی دیکھا جائے تو ایک ایسی قوم کے لیے جو ترقی کرنا چاہتی ہے۔ اطاعت کے بغیر چارہ نہیں۔ مَیں نے جس طرح اسلام کی تاریخ پڑھی ہے۔ اگر اور لوگ بھی اس طرح پڑھتے۔ تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ مسلمانوں کی ذلت و بربادی۔ نکبت و تباہی کا باعث یہی ہے کہ ان میں اطاعت کا مادہ نہ رہا۔ جب اطاعت نہ ہو۔ تو انتظام قائم نہیں رہ سکتا۔ اور جب انتظام قائم نہ رہے۔ تو کوئی قوم حاکم نہیں رہ سکتی۔

مَیں آج ایک راجہ کا سفرنامہ پڑھ رہا تھا جس میں لکھا ہے کہ چین میں اس نے دیکھا کہ امریکن اور اٹالین اور جرمن وغیرہ کی افواج جو چین میں پڑی ہیں۔ وہ روزانہ مصروف رہتی ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو آج ہی جنگ درپیش ہے۔ مگر برخلاف اس کے چین کی افواج کی یہ کیفیت ہے کہ اوّل تو ان میں ملکی لوگ نظر بھی کم آتے تھے۔ اور جو تھے بھی ان کی یہ حالت تھی کہ یورپین افواج کی بارکوں کے سامنے کھڑے نظر آتے تھے اور یورپین افواج کی ورزشوں وغیرہ کو لغو سمجھ کر تماشا کے طور پر دیکھتے تھے اس تمام خرابی کی کیا وجہ تھی۔ یہی کہ وہاں انتظام نہ تھا۔ اور انتظام نہ ہونے کا باعث اطاعت کا نہ ہونا تھا۔ جب یہ دونوں چیزیں نہ رہیں تو تمدن نہیں رہتا۔ اور تمدن نہ ہو تو غلامی رہ جاتی ہے۔

جب ہم میں خلافت کی بحث شروع ہوئی۔ تو ایک صاحب نے کہا کہ اگر آپ کی اطاعت آیت استخلاف کے ماتحت نہ کی جائے۔ بلکہ یوں کر لی جائے۔ تو کیا آپ بیعت لے لیں گے۔ مَیں نے ان کو کہا کہ آیت استخلاف کی غرض تو یہی ہے کہ مسلمانوں کا کلمہ متحد رہے۔ اگر یہ منشاء دوسری طرح بھی پورا ہو جائے۔ تو کیا حرج ہے پس اطاعت دینی اور دنیاوی دونوں ترقیوں کے لیے نہایت ضروری اور لابدی ہے۔

ہمارا جن سے مقابلہ ہے وہ بہت منتظم ہیں۔ ان میں اطاعت بہت ہے۔ پس جب تک ہم میں ان سے بڑھ کر انتظام اور اطاعت نہ ہو گی۔ تو ہم کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکینگے۔ ہمارے یہاں اوّل تو امیری غریبی چھوٹائی بڑائی کا کوئی سوال ہی نہیں۔ سب بھائی بھائی ہیں۔ لیکن پھر بھی جو افسر ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ماتحت ان کو سلام کرنا ہتک سمجھتے ہیں۔ مگر یورپ والوں کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی فوجی اپنے افسر کو سلام نہ کرے تو شام کو حوالات میں دیدیتے ہیں۔ اس جنگ کے متعلق ایک ایڈیٹر کا بیان مَیں نے پڑھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مَیں نے ساری عمر میں جو تلخ تجربہ حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ جنگ شروع ہوئی تو مَیں بھی فوج میں بھرتی ہو گیا۔ میرے دفتر کا ایک کلرک بھی اسی میں بھرتی ہوا۔ کلرک کی جسمانی حالت چونکہ

زیادہ اچھی تھی۔ وہ فوجی کاموں کا جلد ماہر ہوکر افسر ہوگیا اور مَیں اس سے نیچے کے درجہ پر اس کا ماتحت رہا۔ ایک دفعہ جب وہ فوجی وردی میں میرے سامنے آیا تو مجھے بہت بُرا معلوم ہوا۔ آخر مجھے اپنا فرض یاد آیا اور فوجی قانون میرے سامنے آگیا۔ مَیں نے فوراً اس کو فوجی طریق سے سلام کیا۔ اور اس نے بھی اسی طرح جس طرح فوجی افسروں کا طریق ہے میرے سلام کا جواب دیا۔ پس اطاعت کی یہ وہ روح تھی جس نے ان کو اس عظیم جنگ میں کامیاب کرایا۔

یورپ دنیاوی لحاظ سے ہم سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ پھر اس میں انتظام اور اطاعت وغیرہ بھی بہت ہے۔ ہم یورپ کو اپنا شاگرد بنانا چاہتے ہیں اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہم میں ان سے بڑھ کر اطاعت اور انتظام ہو۔ یہ مت کہو کہ خدا کا ہم سے وعدہ ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے۔ بیشک خدا کا ہم سے وعدہ ہے، لیکن ہمارا بھی تو کچھ فرض ہے۔ ہم کمزور ہیں اور ہماری یورپ کے مقابلہ میں حقیقت ہی کیا ہے۔ اگر یورپ ہمارا شاگرد ہو جو ضرور ہوگا۔ تو یہ خدا ہی کے فضل سے ہوگا۔ اور وہاں انسانی تدبیروں کا کچھ بھی دخل نہ ہوگا، لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم اپنے فرض سے غافل ہو جائیں۔ جس کے باعث ہم خُدا کے فضلوں کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ پس مَیں آپ لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں۔ اور اخبار کے ذریعہ باہر والوں کو بھی کہ وہ اطاعت سیکھیں۔ تاکہ ہماری جماعت جلد سے جلد کامیابی حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت پر رحم کرے۔"

(الفضل ۱۲؍ اگست ۱۹۲۰ء)